Dr. Khwaja M. Ikramuddin
Professor, Center for Indian Languages, Jawaharlal Nehru University, New Delhi, INDIA

ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین
پروفیسر، ہندستانی زبانوں کا مرکز، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

تجربات و حوادث کا شاعر: ساحر لدھیانوی

A poet of experiences and incidents: Sahir Ludhianvi

Abstract: Sahir Ludhianvi stands as a prominent figure in Urdu poetry, with enduring popularity for his poems, film songs, and literary contributions. His foray into film songs catapulted him to unparalleled fame, and even today, his name remains synonymous with entertainment literature, often categorized as popular literature. However, this widespread acclaim inadvertently led to an unconscious attempt to distance Sahir from the realm of serious literature. While Sahir Ludhianvi's poetry may be associated with entertainment literature, it transcends the boundaries of mere popular expression. His verses possess the quintessential qualities found in high-class poetry. Despite achieving recognition through film songs, Sahir never compromised on literary dignity in his craft. In his poetic compositions, Sahir vividly portrays the tales of suffering and exploitation endured by the simple-hearted. His era coincided with rapidly changing socio-social requirements and demands, prompting a deliberate and conscious shaping of literature with a distinct tone and narrative. Sahir, navigating the same path, conscientiously addressed the literary needs of his time without allowing the quality of his poetry to waver. He crafted a unique style that transformed him into a linguistic and expressive magician, setting him apart in the annals of literary history

Keywords: prominent figure, entertainment literature, recognition, linguistic, quintessential.

اردو شاعری کا معروف نام ساحر لدھیانوی جن کے نظمیں، فلمی نغمے اور اشعار آج بھی زبان زد خاص و عام ہیں، رنگ و نور کی محفلوں میں آج بھی ان کے گیت گنگنائے جاتے ہیں، احتجاج کی محفلوں میں انہی کے گیت گائے جاتے ہیں۔ فلمی گیتوں نے ان کو شہرت کی ایسی بلندیوں تک پہنچایا کہ ان کا نام آج بھی تفریحی ادب سے ہی وابستہ ہے۔ تفریحی ادب کو عام طور پر مقبول عام ادب کے زمرے میں رکھا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساحر کی یہ شہرت ان کو ادب عالیہ سے دور کرنے کی لاشعوری کوشش ہوئی۔ حالانکہ ساحر کی شاعری محض تفریحی ادب کا حصہ نہیں ہے بلکہ ان کی شاعری میں وہ تمام صفات موجود ہیں جو اعلیٰ شاعری میں موجود ہوتی ہے۔ انھوں نے ضرور فلمی نغموں سے شہرت حاصل کی مگر تفریحی نغمے لکھتے ہوئے بھی ادبی وقار سے کبھی سمجھوتا نہیں کیا۔

’شاعری جزویست از پیغمبری ‘ بھی ہے۔ شاعری کو انسانی ذوقِ جمال کے بیانیہ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ’ شعر و ادب تفسیر زندگی بھی ہے اور تصویر زندگی بھی‘۔ ادب کے متعلق دو نظریئے ہیں ایک ادب برائے ادب اور دوسرا ادب برائے زندگی ہے۔ دونوں نظریات کے تحت ادب لکھا گیا ہے اور لکھا جا رہا ہے۔ لیکن عام طور پر اسی ادب کو اہمیت حاصل ہے جو زندگی کی عکاس بھی ہو اور زندگی کے لیے مشعل راہ بھی ہو۔ قدر و قیمت

اسی ادب کی ہے جو نہ صرف زندگی کی تصویر دیکھائے بلکہ زندگی بسر کرنے کے راستے بھی دیکھائے۔ لیکن ادب میں محض زندگی اور تہذیب وتمدن کی عکاسی ہی نہ ہو بلکہ اس میں مسرت و بصیرت کی ایسی آمیزیش ہو جو جمالیاتی حظ بخشتی ہو اور تفریحِ ذہن و دل کے ساتھ بصیرت کا ادراک بھی کراتی ہو، ایسی ہی شاعری ہمہ گیر ہوتی ہے۔

- اردو شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے انسانی معاشرے کی ہر اچھائی اور برائی کی جانب لوگوں کو متوجہ کیا ہے۔ اسی لیے شاعری میں ہمیشہ روحِ عصر موجود رہی ہے۔
- انقلاب کی بات ہو یا محبت کی، ہر طرح کے نغمے اردو شاعری میں ملتے ہیں۔ کیونکہ شاعری انسانی حسیات اور ادراکات کا نام ہے۔
- شاعری نہ صرف تخلیق کاروں کے ذوقِ جمال کو ظاہر کرتی ہے بلکہ اپنے ماحول اور معاشرے کی عکاس بھی ہوتی ہے۔
- شاعر اپنی تخلیقات سے نہ صرف معاشرے کی ترجمانی و تنقید کرتا ہے بلکہ اپنے دور کی اہم تہذیبی، سیاسی و سماجی تبدیلیوں سے متعلق اپنے ردِ عمل اور تاثرات کا اظہار بھی کرتا ہے۔
- اس طرح ان تخلیقات سے نہ صرف کسی دور کی تہذیبی، سیاسی اور سماجی تبدیلیوں سے آگاہی ہوتی ہے بلکہ ادب کی صورت میں تاریخ بھی محفوظ ہوتی رہتی ہے۔ اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ 'ہر دور کا ادب اپنے عصری رجحانات اور افکار و اقدار کا ترجمان اور نقاد ہوتا ہے۔'

احمد ندیم قاسمی نے شاعری کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

> "انسان کی شدتِ احساس نے شاعری کو جنم دیا۔ تفکر کی گہرائی نے اسے پروان چڑھایا۔ صوتی آہنگ نے اسے شبابِ جاوداں بخشا اور مشاہدے کی ہمہ گیری نیز ماحول کی اثر آفرینی نے اس میں رنگ بھرے۔ آپ زمانۂ حال سے صدیوں پیچھے چلے جائیں یا قرنوں آگے نکل جائیں، آپ کو ہر زمانے کی شاعری میں یہی سلسلہ نظر آئے گا۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو جملہ فنونِ لطیفہ اس مختصر سے سلسلے کی تخلیقات معلوم ہوتے ہیں۔ شاعری کبھی نقادوں کی گڑھی ہوئی اصطلاحات کی محتاج نہیں رہی۔ ہیئت کے بے شمار نمونے رائج ہوئے اور ناپید ہو گئے لیکن اگر کوئی چیز قائم اور دائم رہی تو وہ شدتِ احساس، تفکر کی گہرائی، صوتی آہنگ، مشاہدے کی ہمہ گیری اور ماحول کی اثر آفرینی ہے۔"(۱)

ساحر کی شاعری کو دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے یہاں شدتِ احساس کی پرچھائیاں ہر جگہ موجود ہیں۔ وہ تخیل کے سہارے ان پرچھائیوں کو شدتِ بیانیہ میں تبدیل نہیں کرتے۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں:

دنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے، وہ لوٹا رہا ہوں میں (۲)

ان کا یہ شعر ان کے تخلیقی بیانیہ کا شاہد بھی ہے اور شعری اظہار کا اعلانیہ بھی ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری کی بنیاد زمانے کے تلخ و ترش تجربات کو بنایا اور اسے پیش کرنے کے لیے تخیلات و تفکرات کی پُر پیچ گلیوں میں بھٹکنے کے بجائے براہِ راست عام فہم الفاظ کو اپنی شاعری کا اسلوب بنایا۔ دنیا کے اس شور و غوغا میں گم ہوتی انسانیت اور سسکتی آدمیت کے کرب کو پیش کرنے کے لیے ساحر نے صنائع و بدائع کے استعمال کے بجائے براہ راست بیانیہ تخلیق کیا لیکن اس بیانیے اور اس اسلوب نے ان کی شاعری کو مجروح نہیں کیا بلکہ اثر انگیزی کو دو بالا کیا ہے۔ یہ اشعار دیکھیں:

تم نے کتنے سپنے دیکھے، میں نے کتنے گیت بُنے
اِس دُنیا کے شور میں لیکن، دل کی دھڑکن کون سنے
حسن کے کھلتے پھول ہمیشہ، بے دردوں کے ہاتھ بکے

اور چاہت کے متوالوں کو، دھول ملی ویرانوں کی
دل کے نازک جذبوں پر بھی، راج ہے سونے چاندی کا
یہ دنیا کیا قیمت دے گی، سادہ دل انسانوں کی (۳)

ساحر نے سادہ دل عوام کے درد و کرب اور ان کے استحصال کی کہانی کو اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔ ان کا عہد بہت تیزی سے بدلتے سماجی و معاشرتی تقاضے اور مطالبات کا عہد تھا۔ اس پُر آشوب دور میں ادب کو دانستہ اور شعوری طور پر ایک خاص لب و لہجہ اور بیانیہ دیا گیا۔ وہ بھی اسی راہ کے مسافر تھے لہٰذا انھوں اس عہد کے ادبی تقاضے کو ملحوظ ضرور رکھا مگر شاعری کے معیار کو گرنے نہیں دیا۔ اور ایک ایسا اسلوب وضع کیا جس نے ساحر کو زبان و بیان کا جادو گر بنا دیا۔

ساحر کی شاعری کو اکثر یہ کہہ کر بھی محدود کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ نوجوان دلوں کے احساسات و معاملات کو بیان کرتے ہیں۔ ان کا رومانی لب و لہجہ اِنہی حد بندیوں میں اپنی نغمگی بکھرتا ہے لہٰذا جمالیاتی فضا بھی محدود ہو جاتی ہے لیکن فنی اور فکری نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ فضا کا محدود ہونا نہیں ہے بلکہ نئی فضا کی تخلیق ہے جو کم ہی شاعروں کے یہاں دیکھنے کو ملتی ہے۔ اسی لیے سردار جعفری نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> "جس کسی نے ساحر لدھیانوی کو یہ کہہ کر کمتر درجے کا شاعر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ Teenagers یعنی نوعمر لڑکے لڑکیوں کا شاعر ہے، اس نے دراصل ساحر کی شاعری کی قدر و قیمت بیان کی ہے۔ نوعمر لڑکے اور لڑکیوں کے لیے شاعری کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ان کے دل میں تر و تازہ امنگیں ہوتی ہیں۔ آلودگی سے پاک آرزوئیں ہوتی ہیں۔ زندگی کے خوبصورت خواب ہوتے ہیں اور کچھ کر گزرنے کا حوصلہ ہوتا ہے۔ ان جذبات اور کیفیات کو ساحر نے جس طرح شاعرانہ روپ دیا ہے وہ اس کے کسی ہم عصر شاعر نے نہیں دیا۔ ان سے پہلے کے شاعروں سے اس بات کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔"(۴)

لیکن یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ساحر نے محض محبت کے نغمے کی سرشاری کو اپنی شاعری میں نمایاں مقام دیا ہے۔ آپ ساحر کو پڑھیں یا ان کے نغموں کو سنیں تو اندازہ ہوگا کہ محبت کے نغموں کو ساحر نے تلخیوں کا بیانیہ بنا دیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ادبیات عالم میں عشق و محبت کو نمایاں جگہ ملی ہے۔ کوئی بھی ادب ایسا نہیں جہاں عشق کی رنگینیاں اور محبوب کی عشوہ طرازیاں اور دنیائے تخیل کی مدہوش کن فضائے نیلگوں موجود نہ ہوں۔ اس لیے ساحر کے کلام میں بھی عشق کا بیانیہ ہونا ہی تھا۔ لیکن جیسا کہ میں نے کہا کہ اِس محبت کے جلو میں مساوی طور پر رواں دواں تلخیوں اور کربناکیوں کو ساحر نے جس طرح سے پیش کیا ہے وہ کسی اور شاعر کے یہاں کم کم ہی نظر آئے گا یا شاید نظر نہ بھی آئے۔ ان کا مشہور کلام "تاج محل" میں محبت کی نغمہ سنجی کے ساتھ ان کی تلخ نوائی کو سنیں جو ساحر کا مساوی بیانیہ ہے، یہ ان کی خاص صفت ہے۔ معانی کی دو لہریں ساتھ ساتھ چلتی ہیں:

تاج تیرے لیے اک مظہرِ الفت ہی سہی
تجھ کو اس وادیٔ رنگیں سے عقیدت ہی سہی
میری محبوب کہیں اور ملا کر مجھ سے
بزمِ شاہی میں غریبوں کا گزر کیا معنی
ثبت جس راہ میں ہوں سطوتِ شاہی کے نشاں
اُس پہ الفت بھری روحوں کا سفر کیا معنی
میری محبوب پسِ پردۂ تشہیر وفا
تو نے سطوت کے نشانوں کو تو دیکھا ہوتا

مردہ شاہوں کے مقابر سے بہلنے والی
اپنے تاریک مکانوں کو تو دیکھا ہوتا
اَن گنت لوگوں نے دنیا میں محبت کی ہے
کون کہتا ہے کہ صادق نہ تھے جذبے ان کے
لیکن ان کے لیے تشہیر کا سامان نہیں
کیونکہ وہ لوگ بھی اپنی ہی طرح مفلس تھے
یہ عمارات و مقابر، یہ فصیلیں ، یہ حصار
مطلق الحکم شہنشاہوں کی ، عظمت کے ستوں
سینۂ دہر کے ناسور ہیں ، کہنہ ناسور
جذب ہے ان میں ترے اور مرے اجداد کا خوں
میری محبوب انہیں بھی تو محبت ہو گی
جن کی صناعی نے بخشی ہے اسے شکل جمیل
ان کے پیاروں کے مقابر رہے بے نام و نمود
آج تک ان پہ، جلائی نہ کسی نے قندیل
یہ چمن زار، یہ جمنا کا کنارہ، یہ محل
یہ منقش در و دیوار، یہ محراب یہ طاق
اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق
میری محبوب کہیں اور ملا کر مجھ سے (۵)

محبت کی علامت تاج محل پر نجانے کتنی شاعری مل جائے گی مگر تاج کے اِن پہلوؤں کو جس طرح ساحر نے اجاگر کیا یہ صرف ساحر کا حصہ ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں محبت سے ہی اس دنیا کی تخلیق ہوئی ہے مگر اسبابِ زیست نے کسی کو محبت کی علامت بنا دیا تو کسی کو صرف تماشائی۔ دراصل سرمایہ داری نظام نے تمام اقدار کی قدر و قیمت کا تعین سود و زیاں سے کرنا شروع کر دیا تو انسانیت ختم ہوتی گئی اور مادیت نے ایسے روح فرسا مناظر دکھائے جسے دیکھ کر ساحر بے چین ہو جاتا ہے تب شاعری میں اُن کی تلخیوں کی یہ پرچھائیاں نظر آتی ہیں:

سورج کے لہو میں لتھڑی ہوئی، وہ شام ہے اب تک یاد مجھے
چاہت کے سنہرے خوابوں کا، انجام ہے اب تک یاد مجھے
اس شام مجھے معلوم ہوا، کھیتوں کی طرح اس دنیا میں
سہمی ہوئی دوشیزاؤں کی، مسکان بھی بیچی جاتی ہے
اس شام مجھے معلوم ہوا، اس کارگہ زرداری میں
دو بھولی بھالی روحوں کی، پہچان بھی بیچی جاتی ہے
اس شام مجھے معلوم ہوا جب باپ کی کھیتی چھن جائے

ممتا کے سنہرے خوابوں کی انمول نشانی بکتی ہے
اس شام مجھے معلوم ہوا، جب بھائی جنگ میں کام آئیں
سرمائے کے قحبہ خانے میں، بہنوں کی جوانی بکتی ہے
سورج کے لہو میں لتھڑی ہوئی ، وہ شام ہے اب تک یاد مجھے
چاہت کے سنہرے خوابوں کا، انجام ہے اب تک یاد مجھے (۶)

انسان کی بے بسی، بے وقعتی اور لاچاری کی ایسی متحرک تصویریں جو معاشرتی کجریوں کی گھناؤنی تصویریں ہیں، انھیں دیکھ کر کراہیت کا احساس نہیں ہوتا بلکہ ساحر کا یہ انداز بیان کرب کی شدت میں اضافہ کرتا ہے۔

شاعری کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ یہ رمز و ایما کا فن ہے۔ براہ راست تخاطب شعری حسن کو مجروح کرتا ہے۔ لیکن ساحر کا عہد ایسا ہے جس میں ملک کے حالات ایسے تھے کہ زیادہ تر شعرا ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہوگئے اور بڑے زور و شور سے ملک میں حاشیے پر کھڑے افراد اور سماج کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ حالات جس تیزی سے کروٹیں لے رہا تھا اسی شدت سے شعرا اپنے بیانیے کو حالات کا ترجمان بنا رہے تھے۔ ترقی پسندی کا وہ لب ولہجہ جور ومانویت کے اسلوب سے تعبیر کیا جارہا تھا ساحر اسی راستے سے شاعری کے میدان میں داخل ہوتے ہیں۔ ان کے گیت کے اشعار ہوں یا فلمی نغموں کے بول ہوں یا نظم، زبان کا استعمال ایسا رواں اور سادہ و سلیس ہے کہ پڑھنے والے آسانی سے پڑھتے جاتے ہیں اور سننے والے بھی اسی دلپذیری سے سنتے ہیں ۔ابلاغ و ترسیل میں نہ تو ان کی زبان حائل ہوتی ہے اور نہ ہی تفہیم سے ادراک کے سفر میں ان کے تشبیہات و استعارات مخل ہوتے ہیں۔ ساحر کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اظہار و بیان کے لیے مختلف النوع اسالیب کو خلق کیا۔ گیت، بھجن، نغمہ، غزل اور نظم، موضوع اور مخاطب کے لحاظ سے بدلتے جاتے ہیں۔ مثال ملاحظہ کریں:

یہ سرزمین ہے گوتم کی، اور نانک کی
اس ارض پاک پہ، وحشی نہ چل سکیں گے کبھی
ہمارا خون امانت ہے، نسلِ نو کے لئے
ہمارے خون پہ، لشکر نہ پل سکیں گے کبھی
کہو کہ آج بھی، ہم سب اگر خموش رہے
تو اس دمکتے ہوئے، خاکداں کی خیر نہیں
جنوں کی ڈھالی ہوئی، ایٹمی بلاؤں سے
زمیں کی خیر نہیں، آسماں کی خیر نہیں
گذشتہ جنگ میں گھر ہی جلے، مگر اس بار
عجب نہیں ، کہ یہ تنہائیاں بھی جل جائیں
گزشتہ جنگ میں، پیکر جلے مگر اس بار
عجب نہیں کہ یہ پرچھائیاں بھی جل جائیں (۷)

صرف یہی نہیں کہ وہ مستقبل کے حالات کی بدتری کو دکھانے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ وہ تو رہبر قوم و ملک سے سوال بھی کرتے ہیں اور یہ سوال اُس وقت بھی relevant تھا اور آج بھی، یہ ایسا عصری بیانیہ بن گیا ہے کہ ہر احتجاج کی محفل میں اسی سوالیہ لب ولہجے میں ڈھلی ہوئی شاعری گنگنائی جاتی ہے۔ یہ محض نعرہ زنی نہیں ہے بلکہ احتجاجی شاعری کی بہت ہی اعلیٰ مثال ہے اور شاعرانہ اسلوب کی خوبصورت مثال بھی ہے :

دھرتی کی سلگتی چھاتی سے، بے چین شرارے پوچھتے ہیں
تم لوگ جنہیں اپنا نہ سکے، وہ خون کے دھارے پوچھتے ہیں
سڑکوں کی زباں چلاتی ہے، ساگر کے کنارے پوچھتے ہیں
اے رہبر ملک و قوم بتا، یہ کس کا لہو ہے کون مرا
یہ جلتے ہوئے گھر کس کے ہیں ، یہ کٹتے ہوئے تن کس کے ہیں
تقسیم کے اندر طوفاں میں ، لٹتے ہوئے گلشن کس کے ہیں
بدبخت فضائیں کس کی ہیں، برباد نشیمن کس کے ہیں
کچھ ہم بھی سنیں، ہم کو بھی سنا
کس کام کے ہیں یہ دین دھرم، جو شرم کا دامن چاک کریں
کس طرح کے ہیں یہ دیش بھگت، جو بستے گھروں کو خاک کریں
یہ روحیں کیسی روحیں ہیں، جو دھرتی کو ناپاک کریں
آنکھیں تو اٹھا نظریں تو ملا
جس رام کے نام پہ خون بہے، اس رام کی عزت کیا ہو گی
جس دین کے ہاتھوں لاج لٹے، اس دین کی قیمت کیا ہو گی
انسان کی اس ذلت سے پرے، شیطان کی ذلت کیا ہو گی
یہ وید ہٹا قرآن اٹھا
یہ کس کا لہو ہے کون مرا
اے رہبر ملک و قوم بتا(۸)

شاعری کے حوالے سے یہ عام رائے ہے کہ صنائع وبدائع شاعری کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں۔ان تمام اشعار میں تشبیہات واستعارات کی اگر تلاش کریں تو ناکامی ہاتھ آئے گی۔ساحر نے محض ایسے شعری تراکیب خلق کیے ہیں کہ ان سے جہانِ معنی کو نئی سمت ملتی ہے تراکیب میں بھی عام الفاظ ہی ہیں، بیان بھی براہ راست تخاطب کا ہے مگر اثریت میں کمی نہیں آتی، یہی ساحر کی ساحری یعنی جادو گری ہے۔ایک مثال اور ملاحظہ فرمائیں:

خون اپنا ہو یا پرایا ہو
نسل آدم کا خون ہے آخر
جنگ مشرق میں ہو کہ مغرب میں
امن عالم کا خون ہے آخر
بم گھروں پر گریں کہ سرحد پر
روح تعمیر زخم کھاتی ہے
کھیت اپنے جلیں کہ اوروں کے
زیست فاقوں سے تلملاتی ہے

ٹینک آگے بڑھیں کہ پیچھے ہٹیں
کوکھ دھرتی کی بانجھ ہوتی ہے
فتح کا جشن ہو کہ ہار کا سوگ
زندگی میتوں پہ روتی ہے
جنگ تو خود ہی ایک مسئلہ ہے (۹)

ساحر کے اسالیب بیان اور موضوعات پر غور کریں تو ایسا معلوم ہو گا کہ ساحر نے شاعری نہیں کی ہے بلکہ ساحری کی ہے۔ ان کے یہاں فلمی گیتوں میں نغمگیت کی سحر آگیں فضا ہے تو دوسری جانب مرقعوں کے ایسے چلتے پھرتے نمونے ہیں کہ آپ سنیں تو ایسا لگتا ہے مناظر آپ کی سماعتوں کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ نظم "انتظار" کے یہ اشعار جو فلم بھی گائے گئے دیکھیں :

چاند مدھم ہے آسماں چپ ہے
نیند کی گود میں جہاں چپ ہے
دور وادی میں دودھیا بادل
جھک کے پربت کو پیار کرتے ہیں
دل میں ناکام حسرتیں لے کے
ہم ترا انتظار کرتے ہیں (۱۰)

نظم "تیری آواز" کے یہ اشعار دیکھیے :

یوں اچانک، تری آواز کہیں سے آئی
جیسے پربت کا جگر چیر کے، جھرنا پھوٹے
یا زمینوں کی محبت میں، تڑپ کر ناگاہ
آسمانوں سے کوئی، شوخ ستارا ٹوٹے
تو مرے پاس نہ تھی، پھر بھی سحر ہونے تک
تیرا ہر سانس، مرے جسم کو چھو کر گزرا
قطرہ قطرہ، ترے دیدار کی شبنم ٹپکی
لمحہ لمحہ، تری خوشبو سے معطر گزرا (۱۱)

ان تمام اشعار میں ڈرامائیت بھی ہے اور مرقع سازی کے ایسے نادر نمونے ہیں جیسے لگتا ہے کوئی تصویری سلسلہ ہے جو خراماں خراماں سامعین کے سامنے سے گزر رہا ہے۔ ان اشعار میں لفظوں سے بے مثل صورت گری اور مصوری کی گئی ہے۔ ان متحرک مرقعوں کو اتنی آسان اور عام فہم زبان میں پیش کیا گیا ہے کہ عام فہم رکھنے والا بھی اسے محسوس کر سکتا ہے اور اس سے محظوظ بھی ہو سکتا ہے۔ لفظوں سے مصوری، صورت گری مجسمہ سازی یا پیکر تراشی کے ہنر کی مثال ملاحظہ ہو:

افق کے دریچے سے، کرنوں نے جھانکا
فضا تن گئی، راستے مسکرائے
سمٹنے لگی نرم، کہرے کی چادر

جواں شاخساروں نے، گھونگھٹ اٹھائے
پرندوں کی آواز سے، کھیت چونکے
پراسرار لے میں ،رہٹ گنگنائے
حسیں شبنم آلود، پگڈنڈیوں سے
لپٹنے لگے، سبز پیڑوں کے سائے
وہ دور ایک ٹیلے پہ، آنچل سا جھلکا
تصور میں لاکھوں دیے جھلملائے (۱۲)

ساحر کے حوالے سے یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ ساحر پر فیض کے اثرات واضح طور پر موجود ہیں۔ میں بھی اس بات سے جزوی طور پر متفق ہوں۔ جہاں تک اسلوب کی بات ہے تو بہت حد تک فیض جیسی رومانی فضا ساحر کے یہاں ملتی ہیں۔ لیکن فیض کے اسلوب میں تشبیہات واستعارات نے رنگارنگ، جہانِ معنی، جہانِ فکر اور سمعی وبصری پیکر خلق کیے ہیں۔ اس کے برعکس ساحر کے کلام میں تشبیہات واستعارات کی وہ فضا نہیں جو زبان وبیان کی رنگینی فیض کے یہاں ہے۔ البتہ فیض اور ساحر کے یہاں عشق حاوی موضوع ہے مگر دونوں کے یہاں موضوع کے برتاؤ میں بہت زیادہ فرق ہے۔ ایک مثال ملاحظہ کریں:

تم آئے ہو نہ شبِ انتظار گزری ہے تلاش میں ہے سحر بار بار گزری ہے (۱۳)

مجبور ہوں میں مجبور ہو تم، مجبور یہ ساری دنیا ہے
اس دور میں جینے کی قیمت، یا دار ورسن یا خواری ہے
میں دار ورسن تک جا نہ سکا، تم جہد کی حد تک آنہ سکیں
چاہا تو مگر، اپنا نہ سکیں
ہم تو، دو ایسی روحیں ہیں، جو منزلِ تسکیں پا نہ سکیں
جینے کو جئے جاتے ہیں مگر، سانسوں میں چتائیں جلتی ہیں
خاموش وفائیں جلتی ہیں
سنگین حقائق زاروں میں، خوابوں کی ردائیں جلتی ہیں (۱۴)

ان اشعار میں لفظوں کا انتخاب، تراکیب کی جدت اور اسلوب کی روانی دیکھیں۔ شاعری اسی لیے دلبری کے قریب ہوتی ہے کہ کیوں زبان کا جمالیاتی استعمال اسے دلپذیر بناتا ہے۔ سانسوں میں چتائیں جلتی ہیں، خوابوں کی ردائیں جلتی ہیں۔ صرف ان دونوں ترکیبوں کو دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے ساحر کو زبان واظہار پر کیسی قدرت تھی اور کس خوبصورتی سے بالکل نئی ترکیب سے جہانِ معنی پیدا کرتے ہیں۔ ساحر کے کلام میں تلخیوں کی شدت بھی نظر آتی ہے وہ درد وکرب کو من وعن اسی شدت سے پیش کر دیتے ہیں جس شدت سے وہ اُسے محسوس کرتے ہیں۔ تاہم ان کی شاعری مجروح نہیں ہوتی بلکہ سننے والے بھی اسی شدت میں ڈوب جاتے ہیں مثلاًان کی مشہور نظم "چکلے" کو دیکھیں:

یہ کوچے یہ نیلام گھر دل کشی کے
یہ لٹتے ہوئے کارواں زندگی کے
کہاں ہیں کہاں ہیں ؟ محافظ خودی کے
ثناخوان تقدیس مشرق کہاں ہیں؟

مدد چاہتی ہے، یہ حوا کی بیٹی
یشودھا کی ہم جنس، رادھا کی بیٹی
پیمبر کی امت، زلیخا کی بیٹی
ثناخوان تقدیس مشرق کہاں ہیں (۱۵)

انسانی عظمت کے شیرازے کو بکھرتا دیکھ ساحر کے یہاں یہ تلخی محض تلخی نہیں ہے۔ان اشعار میں ہندستانی سرزمین میں عورت کی عظمت کے گیت گانے والے بھی خاموش ہیں اسی لیے وہ صرف حالت زار کو ہی پیش نہیں کرتے بلکہ للکارتے بھی ہیں تاکہ ان کے اندر کی سوئی ہوئی انسانیت جاگ جائے مگر ساحر کا انداز ایسا نہیں ہے کہ وہ صرف احتجاج اور تلخ نوائی کرتے ہیں بلکہ ہمت و حوصلہ بھی بڑھاتے ہیں۔ان کی شاعری کا زمانہ وہی ہے جب حوصلہ وہمت کی ضرورت تھی۔اسی لیے کبھی غیرت دلاتے ہیں تو کبھی للکارتے ہیں اور کبھی حوصلہ بڑھاتے ہوئے انھیں احساس تھا کہ شاعر کا منصب کیا ہے سوانھوں نے اس منصب کا لحاظ رکھا اسی لیے وہ کہتے ہیں:

ہزار برق گرے، لاکھ آندھیاں آئیں
وہ پھول کھل کے رہیں گے، جو کھلنے والے ہیں (۱۶)

مجھے انسانیت کا درد بھی بخشا ہے قدرت نے
مرا مقصد فقط شعلہ نوائی ہو نہیں سکتا (۱۷)

ساحر کو قلم کی طاقت اور زورِ بازو دونوں پر بھروسا تھا اس لیے وہ تلخیوں کے باوجود اپنی دنیا خود تعمیر کرنے کے قائل ہیں۔

***

حوالہ جات

۱۔احمد ندیم قاسمی۔ساحر کی انفرادیت اور شدت احساس۔ مشمولہ ساحر لدھیانوی۔(مرتبہ) خالد اشرف۔ص۲۹۷
۲۔ساحر لدھیانوی۔کلیات ساحر۔ حیدر آباد،(انڈیا)۔حسامی بک ڈپو،۱۹۹۸ء۔ص۱۸۴
۳۔ایضاً۔ص ۴۰۴
۴۔علی سردار جعفری۔ساحر کا شاعرنہ مزاج۔مشمولہ ساحر لدھیانوی۔(مرتبہ) خالد اشرف۔ص ۲۹۲
۵۔ساحر لدھیانوی۔کلیات ساحر۔ ص۱۴۲-۱۴۳
۶۔ایضاً۔ص ۲۴۵-۲۴۶
۷۔ایضاً۔ص ۲۵۰
۸۔ایضاً۔ص ۱۲۲
۹۔ایضاً۔ص ۸۷
۱۰۔ایضاً۔ص۳۸
۱۱۔ایضاً۔ص۴۰-۴۱
۱۲۔ایضاً۔ص ۹۳

۱۳۔ فیض احمد فیض۔ کلیاتِ فیض۔ دہلی: پرویز بک ڈپو، س۔ن۔ ص ۵ ۷
۱۴۔ ساحر لدھیانوی۔ کلیات ساحر ۔ ص ۲۴۷
۱۵۔ ایضاً۔ ص ۱۳۹-۱۴۰
۱۶۔ ایضاً۔ ص ۲۵
۱۷۔ ایضاً۔ ص ۱۰۹